مفتی ابومعاویہ منظور احمد تونسوی ۔

آزر ـــــــــ کون ؟

چند شبہات کا ازالہ

زیر نظر مقالہ میں وقتی طور پر پیدا شدہ صورت حال کے پیش نظر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد کے متعلق عرق ریزی کی گئی ہے کہ ان کے والد کا کیا نام تھا ؟ اور وہ زمانۂ فترت میں فوت ہوئے یا حالت کفر میں ؟ آیندہ صفحات میں آپ اس کے متعلق تحقیق ملاحظہ فرمائیں گے (مؤلف)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا شمار جلیل القدر، عظیم المرتبت اور اولوالعزم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں ہوتا ہے اور آپ کو جدالانبیاء ہونے کا شرف حاصل ہے ۔ نسل اسرائیل کے ہزاروں انبیاء علیہم السلام اور نسل اسمٰعیل کے سرتاج امام الانبیاء، سیدالمرسلین خاتم النبیین سرور کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد ہونے کا شرف وجد آپ کو حاصل ہے ۔

سیدنا ابراہیم ؑ اور سیدنا نوح ؑ کے درمیان دس پشتوں کا فرق ہوا ہے یعنی آپ ان کی گیارھویں پشت میں تھے خود توراۃ ہی کے شارحین کا خیال بعض قوی قرائن کی بنا پر یہ ہے کہ توراۃ میں نسب نامہ کی کچھ پشتیں چھوٹ گئی ہیں ۔ سالِ ولادت سر چارلس مارسٹن محقق اثریات کی جدید ترین تحقیق کے مطابق سنہ ۲۱۶۰ ق ۔م ہے ۔ اور صاحب قصص القرآن کی تحقیق کے مطابق سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ولادت سیدنا آدم علیہ السلام کے تقریباً ۳۳۲۳ سال بعد ظالم و جابر بادشاہ نمرود بن کنعان بن کوش بن سام کے دورِ حکومت میں ہوئی ۔ ممکن ہے کہ مذکورہ بالا دونوں سنہ ولادت ایک ہی ہوں یعنی سنہ ۲۱۶۰ ق ۔م ۳۳۲۳ بعد از نزول آدم ہی بنتا ہو ۔ اور عمر شریف توراۃ میں ۱۷۵ سال درج ہے ۔ سال وفات اس لحاظ سے سنہ ۱۹۸۵ ق ۔م ٹھہرتا ہے ۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مختلف طریقوں سے آزمایا اور طرح طرح سے آپ کا

امتحان لیا گیا ۔ ظالم نمرود کے ہاتھوں آپ کو آگ میں ڈلوا کر امتحان لیا، اور وطن و ملک سے ہجرت کر جانے کا حکم دے کر آزمایا گیا ۔ پھر سالہا سال کی تمناؤں اور آرزوؤں کے بعد پیدا ہونے والے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا یعنی زندگی بھر کی پونجی راہِ خدا میں قربان کرنے کو کہا گیا ۔ ان تمام امتحانات میں نہ صرف ابراہیم علیہ السلام کامیاب ہوئے بلکہ نہایت اعلیٰ پوزیشن حاصل کر کے انعام کے مستحق ٹھہرے تو قدرت کی طرف سے کامیابی کا اعلان ہوا قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ اور پھر انعام زریں کا تمغہ عنایت ہوا ۔ اور وہ تمغہ تھا اقوام عالم کی پیشوائی کا چنانچہ دنیا کی مشہور اور بڑی بڑی تین قومیں جو آسمانی مذہب پر یقین رکھتی ہیں یعنی مسلمان، یہود، نصاریٰ سب آپ کو اپنا پیشوا اور مقتدا مانتے ہیں ۔

والد کا نام عبرانی زبان میں تارح اور عربی آذر میں آزر ہے ۔ نام کا تلفظ قدیم زبانوں میں کئی طرح آیا ہے ۔ مسلمانوں کے لئے قرآنی تلفظ ازر کافی ہے ۔ وطن آبائی ملک بابل کے کلدانیہ (انگریزی تلفظ میں کالڈیا) تھا ۔ جدید جغرافیہ میں اس کو ملک عراق کہتے ہیں جس شہر میں آپ کی ولادت ہوئی اس کا نام توراۃ میں اُور (R ما) آیا ہے ۔ مدتوں یہ نقشہ سے غائب رہا، اب ازسرِ نو نمودار ہو گیا ہے ۔

کھدائی کے کام کی داغ بیل ۱۸۹۴ء ہی میں پڑ گئی تھی ۱۹۲۲ء میں برطانیہ اور امریکہ کے ماہرین اثریات کی ایک مشترک تحقیقی مہم میوزیم پنسلوینیا یونیورسٹی کے زیر اہتمام عراق کو روانہ ہوئی، اور کھدائی کا کام پورے سات سال تک جاری رہا ۔ رفتہ رفتہ پورا شہر نمودار ہو گیا اور عراق گورنمنٹ کے محکمہ آثارِ قدیمہ نے عجائب خانہ کے حکم میں لا کر ان کھنڈروں کو محفوظ کر دیا ہے ۔ یہ شہر خلیج فارس کے دہانہ فرات اور عراق کے پایۂ تخت بغداد کے تقریباً درمیانی مسافت پر ہے ۔ (تفسیر ماجدی)

آئندہ صفحات میں یہی ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن وحدیث اور مفسرین ومحدثین اور مؤرخین کی تحقیق سے یہ واضح ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر ہی ہے ۔ اس پر ایک شبہ وارد کیا گیا ہے ۔

شبہ: کہ آزر کا مشرک و کافر ہونا نصِ قطعی سے ثابت ہے اگر آزر کو ابراہیم علیہ السلام کا باپ

تسلیم کر لیا جائے تو پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو مشرک کی اولاد ماننا پڑے گا۔ نیز امام الانبیاء حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام آتے ہیں یعنی حضور علیہ السلام کے جدِ امجد ہیں۔ تو آزر کا حضور علیہ السلام کے نسب نامہ میں آنا بھی ضروری ہوگا حالانکہ وہ بت پرست اور مشرک تھا تو اس میں امام الانبیاء علیہ السلام کی توہین کا پہلو نکلتا ہے۔ لہٰذا آزر کو ابراہیم علیہ السلام کا چچا کہنا اور ماننا زیادہ بہتر ہے جیسا صاوی حاشیہ جلالین کے مصنف علامہ احمدؒ نے کہا ہے کہ تارحؑ ابوه مات فی الفترة ولم یثبت سجودہ لصنم الخ کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد تارح تھے اور ان کا وصال زمانۂ فترت میں ہوا، اور اس کا بتوں کو سجدہ کرنا ثابت نہیں۔

جواب ا: کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے سلسلۂ نسب میں کوئی مشرک اور بت پرست نہ تھا۔ بلکہ سب کے سب مُوحّد اور خدا پرست تھے اگر کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت ہوتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آباء واجداد میں سب مُوحّد تھے۔ تو یہ اختلاف اور نزاع ہی ختم ہو جاتا اور پھر کسی کو اس میں اختلاف کی مجال نہ تھی، اور نہ کوئی اس میں خامہ فرسائی کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور مفسرین و محدثین اور مؤرخین نے آزر کو سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کا باپ ثابت کیا ہے۔ باقی علامہ احمد صاویؒ کا یہ کہنا کہ ابراہیم علیہ السلام کا باپ زمانۂ فترت میں فوت ہوا ہے اور اس کا بتوں کو سجدہ کرنا ثابت نہیں ہے۔ یہ جمہور مفسرین و محدثین اور مؤرخین کی رائے کے خلاف ہے جو قابلِ اعتبار نہیں ہے۔

جواب ۲: جن لوگوں نے آزر کے سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے باپ ہونے میں اختلاف کیا ہے وہ خود اس میں متحیّر و متردّد ہیں۔ مثلاً سب سے پہلے امام رازیؒ نے اس میں اختلاف کیا اور ایک رسالہ لکھا جس میں آزر کو ابراہیم علیہ السلام کا چچا ثابت کرنے کی کوشش کی۔ پھر ان کی تقلید امام جلال الدین سیوطیؒ نے کی، لیکن سیوطیؒ نے وہی دلائل نقل کر دیے جو امام رازیؒ نے ذکر کئے تھے۔ جب کہ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں آزر کو ابراہیم علیہ السلام کا باپ ثابت اور تسلیم کیا ہے۔

اسی طرح امام سیوطیؒ نے تفسیر جلالین اور اتقان فی علومِ القرآن میں آزر کو سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کا باپ تسلیم کیا ہے

جواب ۳: تیسری بات یہ کہ اگر احادیث صحیحہ سے اس بات کا ثبوت مہیّا ہو جاتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ شرک و کفر سے محفوظ ہے تو پھر جمہور علماء اہل سنت وجماعت حضور علیہ السلام

کے والدین کے بارے میں توقف کا مسلک اختیار نہ کرتے، بلکہ دو ٹوک کھلے الفاظ میں فیصلہ کر دیتے کہ حضور علیہ السلام کے والدین مؤمن و موحد تھے۔ توقف کرنے کا تو مطلب ہی یہی ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی دلیل شرعی موجود نہیں ہے۔ جب آپ علیہ السلام کے والدین کے بارے میں صراحت نہیں ملتی تو پھر سلسلۂ نسب کے بارے میں یہ کہنا کیسے درست ہوگا کہ آپ علیہ السلام کے آباؤ اجداد میں کوئی کافر و مشرک نہیں تھا۔ البتہ برسبیلِ احتیاط توقف کی راہ اختیار کرنا اسلم ہے۔ البتہ احادیث سے یہ بات ضرور ثابت ہے کہ آپ علیہ السلام کے پورے نسب نامہ میں کوئی شخص زن و مرد زانی و بدکار نہیں تھا۔ اور یہ بات بعید از قیاس بھی نہیں کہ کوئی شخص کافر و مشرک ہوتے ہوئے بھی زنا اور بدکاری سے مجتنب رہے۔ چنانچہ محدث ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی متوفی ۴۳۰ھ نے اپنی مشہور تصنیف دلائل النبوۃ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خرجت من نکاح ولم اخرج من سفاح من لدن آدم الی ان ولدنی ابی وامی لم یصبنی فی سفاح الجاھلیۃ شیئ" (دلائل النبوۃ ص۲۷)

میری ولادت نکاح کے ذریعے ہوئی اور میں بدکاری کے ذریعہ سے نہیں پیدا ہوا، حضرت آدمؑ سے لے کر میرے والدین تک اور مجھ کو ایام جاہلیت کی بدکاری نے چھوا تک بھی نہیں۔

اسی طرح مواہب لدنیہ ص۲۷ ج ۱ پر ابن مردویہؒ کے واسطے سے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی گئی ہے۔

عن انس قال قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقد جاءکم رسول من انفسکم بفتح الفاء وقال انا انفسکم نسباً وصھراً وحسباً لیس فی ابائی من لدن آدم سفاح

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لقد جاءکم الآیۃ تلاوت فرمائی اور لفظ انفسکم کو فتح فاء کے ساتھ پڑھا جس کا معنی یہ بنتا ہے کہ بے شک آئے تمہارے پاس اللہ کے رسول تمہارے

کلنا نکاح	اشرف اور افضل اور سب سے زیادہ نفیس خاندان سے۔

اس آیت مبارکہ کی تلاوت کے بعد نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میں باعتبار حسب و نسب کے تم میں سب سے افضل اور بہتر ہوں۔ میرے آباء واجداد میں آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک کہیں زنا اور بدکاری نہیں بلکہ سب نکاح سے پیدا ہوئے ہیں۔

سیدنا ابن عباسؓ اور امام زہریؒ بھی من انفسکم کے کلمہ کو بفتح الفاء پڑھا کرتے تھے اور من افضلکم واشرفکم نسبًا وحسبًا سے اس کی تفسیر بیان فرمایا کرتے تھے تو سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر جناب عبداللہ بن عبدالمطلب تک اور سیدہ حوا رسلام اللہ علیہما سے لے کر بی بی آمنہ تک حضور علیہ السلام کے تمام آباؤ اجداد اور امہات وجدات سب کے سب عفیف و پاک دامن اور محصنین ومحصنات تھے ان میں سے کوئی مرد اور عورت زنا وبدکاری کے ساتھ کبھی ملوث نہیں ہوا۔ اسی کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں ارشاد فرمایا ہے

لم ازل انقل من اصلاب الطاهرين الى ارحام الطاهرات	کہ میں ہمیشہ پاک لوگوں کی پشت سے پاک خواتین کے رحم میں منتقل ہوتا رہا۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا :

بعثت من خير قرون بنی ادم قرنًا فقرنًا حتىٰ بعثت من القرن الذی كنت فيه ۔ (بخاری)	میں بنی آدم کے بہترین زمانے میں قرنًا بعد قرن مبعوث ہوتا رہا حتیٰ کہ میں اس زمانے میں مبعوث کیا گیا جس میں اب ہوں۔

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا نسب نامہ زنا اور بدکاری سے محفوظ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے سلسلۂ نسب میں ابو البشر سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کے والد ماجد جناب عبداللہ تک اور ام البشر سیدہ حوا رسے لے کر آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ بی بی آمنہ تک کوئی فرد بھی زنا و بدکاری کے ساتھ کبھی بھی ملوث نہیں ہوا۔

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ خداوند قدوس نے جن قدسی صفات کو اپنی نبوت و پیغام رسانی کے لئے منتخب

فرمایا ہوا ان کا سلسلۂ نسب ایسا ہی پاک اور مطہر ہونا چاہیئے اسی وجہ سے حق جل مجدہٗ ان نفوس قدسیہ کو ہمیشہ ہمیشہ اصلاب طیبین سے ارحام طاہرات کی طرف منتقل کرتا رہا۔

یہی وجہ ہے کہ جب منافقین نے سیدہ طاہرہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو خداوند قدوس نے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی، عفت اور عصمت کی شہادت میں سورۂ نور کی دس آیتیں نازل فرمائیں جن میں سے ایک آیت یہ ہے:

وَلَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ	سنتے ہی تم لوگوں نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ پاک ہے اللہ یہ تو بہتان عظیم ہے۔

کہیں نبی کی زوجہ مطہرہ بھی زنا کا ارتکاب کر سکتی ہے؟ ہم اس میں لب کشائی نہیں کر سکتے یعنی اے مسلمانو تم کو واقعہ افک سنتے ہی فوراً یہ کہہ دینا ضروری تھا کہ سبحان اللہ یہ تو بہتان عظیم ہے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ، پیغمبر کی بیوی کہیں فاجرہ اور بدچلن ہو سکتی ہے؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی تو عفیفہ و طاہرہ ہی ہوتی ہے۔

جیسا کہ ابن المنذرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے "ما بغت امرأۃ نبی قط"، کہ کسی پیغمبر کی بیوی نے کبھی بھی زنا کا ارتکاب نہیں کیا، ابن جریجؒ فرماتے ہیں کہ پیغمبر کی بیوی کا فاجرہ ہونا شانِ نبوت کے منافی ہے۔ یعنی ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ پیغمبر کی بیوی بدچلن ہو۔

سیدنا لوط علیہ السلام کی اہلیہ کے متعلق مفسرینؒ لکھتے ہیں کہ وہ کافرہ ضرور تھی لیکن فاجرہ نہ تھی یعنی کافرہ ہونے کے باوجود پاک دامن تھیں تو ثابت ہوا کہ ضروری نہیں کہ کافر زانی بھی ہو۔ بلکہ واقعات سے یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ کافر بھی باوجود کفر کے زنا جیسے افعال بد سے محفوظ تھے جیسا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ اسلام لانے سے پہلے بھی انہوں نے نہ کبھی بدکاری کی اور نہ شراب پی اور نہ کسی بت کو سجدہ کیا۔

شبہ: شبہ مذکورہ تارِ عنکبوت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا کہ کافر دنیا کی سب سے بدترین مخلوق ہیں کیونکہ قرآن مجید میں کافروں کو شَرُّ الْبَرِيَّةِ یعنی جانوروں سے بھی بدتر کہا گیا ہے۔ تو اگر یہ تسلیم

کر لیا جائے کہ آزر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے باپ ہی کا نام ہے تو آزر کا شرّ البریّہ ہونا لازم آئے گا، تو یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ اور منتخب بندوں کو بدترین خلائق کی پشتوں سے پیدا فرمائے لہٰذا آزر ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں بلکہ چچا کا نام ہے۔

جواب ا: شبہ مذکور تار عنکبوت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ جس قرآن مجید میں کفار کو شرّ البریّہ کہا گیا اسی قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بھی ذکر موجود ہے کہ رب کائنات قادر مطلق اپنی قدرت کاملہ سے ناپاک (خبیث) سے پاک (طیب) کو نکالتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ آزر کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا والد ماننے میں ایذاءِ رسول ہے محض بے اصل اور بیہودہ اور بلا دلیل ہے۔

جواب ۲: متقدمین میں سے صرف امام رازیؒ اور متأخرین میں سے معدودے چند حضرات نے آزر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا ہونے کا قول کیا ہے لیکن وہ بھی مُذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِکَ کے درجہ میں، علاوہ ازیں تمام مفسرین و محدثین اور مؤرخین آزر کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا باپ ثابت کرتے ہیں۔ اگر اس میں ایذاءِ رسول کا کوئی پہلو ہوتا تو تمام متقدمین و متأخرین کبھی اس طرف نہ جاتے اور ہرگز ہرگز ایسی بات نہ کہتے۔ اب اگر چودہ سو سال کے بعد کسی محققِ دوراں کو اس میں ایذاءِ رسول نظر آ جائے تو یہ خرابیٔ عقل تو کہی جا سکتی ہے اسے تحقیق نہیں کہا جا سکتا۔

اگر یہ بات درست ہو کہ آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد قرار دینے میں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد کی طرف کفر و شرک کی نسبت کر دینا ہے جو جرم عظیم ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام مفسرین و محدثین و مؤرخین بشمول امام رازیؒ و امام سیوطیؒ جنہوں نے آزر کو حضرت ابراہیم ؑ کا باپ کہا ہے وہ سب کے سب جرمِ عظیم کے مرتکب ہوئے ہیں۔ یہ کس قدر جہالت اور سطحیت اور عامیانہ بات ہوگی۔

اگر ایسی کوئی معمولی سی بات بھی ہوتی تو قرآن و حدیث میں ضرور بیان کر دی جاتی کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نہیں بلکہ چچا کا نام تھا۔ حدیث بخاری میں کئی جگہ آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ کہا گیا ہے اور نص قرآن سے بھی آزر کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ ہونا منصوص ہو گیا ہے اب بغیر کسی قرینہ کے قرآن و حدیث کے لفظ صریح کو حقیقی معنی سے ہٹا کر مجازی معنی پر محمول کرنا قطعاً درست نہیں ہوگا۔ قرآن مجید نے جب صراحۃً آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ کہا ہے

تو پھر علمائے انساب اور بائیبل کے تخمینات اور قیاسات سے متاثر ہو کر قرآن عزیز کی یقینی تعبیر کو بلا شرعی اور حقیقی مجبوری کے مجاز پر محمول کرنا بعید از انصاف بھی ہے اور بعید از قیاس بھی ۔

اہل علم اور سچے پکے مسلمانوں کو اس قسم کی دور از کار تاویلات سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

ہذا ہو المرام !

بلا دلیل شرعی حقیقی معنیٰ چھوڑ کر مجازی معنیٰ مراد لینا تصریحات مذہب کے خلاف ہے

اصول فقہ کی کتابوں میں یہ بات واضح طور پر موجود ہے کہ جب تک حقیقی معنیٰ متعذر نہ ہو اس وقت تک مجاز مراد لینا جائز نہیں اور حقیقی معنیٰ کے متعذر ہونے کا قوی قرینہ پایا جانا ضروری ہے۔ ورنہ تو سارا قرآن بازیچہ اطفال بن کر رہ جائے گا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد کے متعلق ایک سے زائد مقامات پر قرآن واشگاف الفاظ میں اعلان کر رہا ہے کہ اس کا نام آزر تھا، اور محققین امت بھی یہی کہہ رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی آزر کے نام سے ذکر کیا ہے جو بذات خود اس بات کی قوی ترین دلیل ہے کہ والد ابراہیم علیہ السلام کا نام آزر ہی تھا، واقع میں ایسا نہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہود بالخصوص اعتراض کرتے کہ قرآن نے حقیقت کے خلاف آزر کو جد الانبیاء علیہ السلام کا باپ کہہ دیا ہے۔ بہر حال تکلفات میں پڑ کر خواہ مخواہ ظاہر قرآن میں بلا دلیل شرعی تاویل کرنا اور حقیقی معنیٰ چھوڑ کر مجازی معنیٰ مراد لینا اصول کے مطابق کئی قباحتوں کا ارتکاب کرنا ہے، حقیقی معنیٰ چھوڑ کر مجازی معنیٰ اس وقت مراد لیا جاتا ہے جب کہ حقیقی معنیٰ مراد لینے میں کوئی شرعی خرابی اور قباحت کا ارتکاب لازم آتا ہو، حقیقت ترک کرنے کا کوئی قرینہ اور دلیل شرعی موجود ہو، اور اس جگہ حقیقۃً مراد لینے میں نہ کوئی شرعی خرابی لازم آتی ہے اور نہ ترک حقیقت پر کوئی قرینہ اور دلیل شرعی موجود ہے۔

ارشادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم :

مَنْ سَبَّ الْأَنْبِيَاءَ قُتِلَ وَمَنْ سَبَّ أَصْحَابِي جُلِدَ

جو شخص انبیاء علیہم السلام کو برا کہے اس کو قتل کر دیا جائے، اور جو شخص میرے صحابہ کو گالی بکے اس کی دُرّوں سے پٹائی کی جائے!